# پہلا باب

## اردو شاعری میں منظر نگاری

فطرت ایک جامع لفظ ہے جس کے تہہ در تہہ معانی اور مفاہیم ہیں۔
یہ لفظ ہماری نظروں کے سامنے پھیلتی ہوئی کائنات کے ان تمام خارجی مناظر
و مظاہر کی نمائندگی کرتا ہے جو ہماری نگاہوں کو تابناکی، ذہن کو روشنی
اور دل و دماغ کو تازگی عطا کرتے ہیں۔ ویسے کائنات کے مناظر کا شمار اور احاطہ
کرنا کسی کے بس کی بات نہیں پھر بھی جو لوگ فطرت کو ایک طاقت، ایک توانائی
یا ایک خارجی قوت سمجھتے ہیں ان کے نزدیک اس کا مطالعہ اتنا ہی ضروری ہے
جتنا انسان کو اپنی داخلی دنیا کے سمجھنے کے لئے لازمی ہے۔ ظاہری دنیا یا
کائنات ان تمام مظاہر کا نام ہے جن کو آدمی دیکھتا اور مشاہدہ کرتا ہے۔ یہ
مظاہر دیکھنے والے کو اپنی طرف مقناطیسی کشش کے ساتھ کھینچتے ہیں،
آدمی متاثر ہوجاتا ہے، مظاہر اور مناظر کی رنگارنگی میں کھو جاتا ہے اور
اپنے لئے ان کے اندر ایک بے مثال سکون، ایک پائیدار وابستگی اور تعلق پالیتا
ہے۔

تاریخ کے ہر دور میں تخلیق کاروں اور شاعروں نے مناظر کو صرف آنکھوں سے پسند ہی نہیں کیا بلکہ اپنے ذہن، جذبات اور تفکرات کو ان کے ساتھ ایسے جوڑ دیا کہ مناظر کی کیفیات کو بیان کرتے ہوئے جو فن پارے وجود کی شکل پا گئے وہ ادب کا لازمی حصہ اور فن کی نزاکتوں کے بہترین نمونے بن گئے۔ ان فن پاروں میں جہاں فکر و خیال کی نزاکتیں موجود ہیں وہاں وہ فنکاری کے عمدہ ترین نمونے بھی ہیں۔ ایک فنکار کے لئے مناظر سے تخلیقی امکانات تلاش کرنا بے حد ضروری ہے چنانچہ وہ مناظر کی خارجی اور داخلی دونوں کیفیتوں سے متصادم ہوجاتا ہے اور اس تصادم کے نتیجے میں ایک اچھا ادبی یا فکری شاہکار جنم لیتا ہے۔ فن پارے میں جاذبیت اور کشش پیدا کرنے کے لئے ضروری ہے کہ ایسی زبان استعمال کی جائے جو فن کو بام عروج پر پہنچا سکے اور ایسی کیفیتوں کو شکل دیدے جو تلاطم خیز اور انقلاب برپا کرنے والی ہوں، یہ کیفیتیں خالص تخلیقی نوعیت کی آئینہ دار ہوتی ہیں اور ان کی ہی وساطت سے ہم فن پارے کی روح کو پالیتے ہیں۔ خارجی مناظر شاعروں کے لئے ہر دور میں تخیل کو پروان بخشنے کا موجب بنے ہوئے ہیں۔ انہی مناظر سے انہوں نے تجربے حاصل کئے۔ اپنے خیال کی دنیا بسائی اور نئے نئے تجربوں سے زبان و ادب کو مالا مال کر دیا۔

فطرت کا مطالعہ انسان کے لئے بے حد ضروری ہے۔ یہ مطالعہ انسان کو اس حقیقت کے سمجھنے میں مددگار ثابت ہوگا جو دنیا کی تخلیق کے پیچھے کارفرما ہے۔

ایک ایسی حقیقت جسکی نہ ابتدا ہے اور جسکی نہ کوئی انتہا ۔ فطرت کا مطالعہ دو طریقوں سے کیا جا سکتا ہے ۔ ایک سائنسی اور دوسرا مابعد الطبیعاتی طریقہ ۔ جہاں تک پہلے طریقے کی ماہیت کا تعلق ہے وہ بالکل خارجی ہے ایک سائنسداں فطرت کے اجزا اور اشیاء کا تجزیہ سائنسی آلات کی وساطت سے کرتا ہے اور تجزیے اور تجربے کے عمل سے ٹھوس نتائج اخذ کرتا ہے ۔ اس مطالعہ کا تعلق عقل اور ذہانت سے ہے ۔ اسکا تعلق سائنسداں کی تجربہ گاہ سے ہے جہاں وہ غور و خوض میں اپنا کافی وقت گزارتا ہے ، ان علامتوں ، خطوں جھیلوں اور پہاڑوں سے ہے جسمیں وہ اپنے شب و روز صرف کرتا ہے اور اس سائنسی اور فکری کاوش کے نتیجے میں وہ نتائج حاصل کر کے ایک رائے قائم کر لیتا ہے ۔ فطرت کے خارجی مطالعہ سے ہٹ کر ہم اسکا داخلی مشاہدہ بھی کر سکتے ہیں ۔ یہ مشاہدہ و مطالعہ مابعد الطبیعاتی ہے ۔ اس مطالعہ کا تعلق عقل و دانش اور فکر و کاوش کے بجائے جذبے اور وجدان سے ہے در حقیقت فطرت کا مطالعہ ہم عقل کے بال و پر سے اور فکر کی کشش و کاوش سے سر انجام نہیں دے سکتے ہیں بلکہ فطرت میں پوشیدہ حسن کو پرکھنے ، اسکی داخلی خوبیوں کو جانچنے اور گہرائی کے ساتھ اسکا جائزہ لینے کے لئے ہم کو وجدان کا سہارا لینا پڑے گا ۔ کانٹ کے فلسفے میں عقل کو بڑا عمل دخل حاصل ہے لیکن برگسان نے وجدان کی بے پناہ قوتوں اور امکانات کا جائزہ لیا اور عقل کی عمارت کو مسمار کرنے کی کوشش کی ۔

حقیقت تو یہ ہے کہ اگر ہم عقل کے ذریعے فطرت کا مطالعہ کریں تو ہماری نگاہوں سے وہ بہت سے راز چھپ جائیں گے تہو وجدان کی طلسم کاری سے ہماری نظروں کے سامنے بے نقاب ہوکر آجائیں گے ۔ مناظر فطرت کا جو لوگ بغور جائیزہ لیتے ہیں ان پر حیات اور کائنات کے راز ہائے سربستہ کھل جاتے ہیں ۔ سورج کی شعاعوں چاند کی کرنوں ، ریت کے ذرّوں ، درخت کے پتوں ، شہنیوں ، شگوفوں اور باغوں کے سوزہ زاروں سے قدرت کے شیدائی بہت کچھ حاصل کرتے ہیں ۔ مناظر قدرت نباتات ، پھولوں اور پرندوں نے اردو شاعری کا دامن بھر دیا ہے ۔ اردو شاعری کا گلستان طرح طرح کے پرندوں سے بھرا پڑا ہے لیکن بعض پرندے ہماری شاعری کا ایسا جزو بن گئے ہیں کہ اگر آج ہم انکو اپنی شاعری سے خارج کر دیں تو اسکی قدر و قیمت آدھی رہ جائے گی ۔ ہماری نظر سب سے پہلے بلبل پر پڑتی ہے ۔ شاعری پر اس درجہ اسکا قبضہ ہے کہ مشکل سے کوئی غزل ایسی ملے گی جس کے کسی نہ کسی شعر کو بلبل نے رونق نہ بخشی ہو ۔

پرندوں کی دنیا جو ہمارے شاعروں نے بسائی ہے وہ ایک بڑی حد تک محض خیالی ہے ۔ فطرت کے حسن میں پرندوں نے جو چار چاند لگائے ہیں اس کے ذکر سے ہماری شاعری محروم ہے ۔ موجودہ دور کی بعض نظموں کو چھوڑ کر شاذ و نادر ہی کوئی ایسا شعر مل جاتا ہے جس میں کسی پرند کا ایک خوشنما اور کیف انگیز جزو ہونے کی حیثیت سے جگہ دی گئی ہو ۔ میر تقی میر گلچیں کو مخاطب کر کے فرماتے ہیں :

سن اے بے درد گلچیں غارت گلشن مبارک ہو

یہ تک گوش مروت جانب فریاد بلبل کے[1]

اسی مضمون کو دوسرے لفظوں میں یوں باندھا ہے :

بلبل کی اور چشم مروت سے دیکھ ٹک

بےدرد یوں چمن میں کسو پھول کو نہ توڑ[2]

اردو کے تقریباً سبھی شعراء نے پرندوں کے ناموں سے کافی استفادہ کیا ہے اور انہیں مختلف علامات کے طور استعمال کرکے فطرت کے ساتھ ان کا گہرا تعلق ظاہر کیا ہے ۔

فطرت کو سراہنا ، چاہنا اور پسند کرنا انسان کی ایک اہم خصوصیت بلکہ ایک حد تک اسکی جبلت ہے ۔ خود انسان فطرت کا ایک جزو لاینفک ہے ۔ تخلیقات فطرت میں ہزاروں اشیاء شامل ہیں جن میں سے چند ہماری نظروں کے سامنے ہیں اور کچھ اشیاء ایسی بھی ہیں جو ہماری نگاہوں سے ماورا ہیں ۔ فطرت سے متعلق یہ اشیاء انسان کے دل کو اپنی طرف کھینچ لاتے ہیں اسکی فکر پر گہرا اثر ڈالتی ہیں ۔ فطرت سے انسان نے ہر دور میں مختلف اثرات قبول کئے ہیں ۔ اس اثر پزیری کا نقشہ سلام سندیلوی نے یوں پیش کیا ہے :

---

1۔ ماہنامہ اردو نمبر ـــ عبدالوحید صدیقی ـــ ص 102

2۔ ایضاً

"جب اس نے پہلی بار دنیا میں آنکھیں کھولیں تو فطرت کو دیکھکر اسکے دل میں حیرت و استعجاب کے جذبات بیدار ہوئے ۔ اس نے فلک بوس پہاڑوں کے سلسلے دیکھے ۔ اسکی نظر بحر بیکراں کی موجوں پر پڑی ۔ اس نے سورج ، چاند اور ستاروں کی آنکھ مچولی کا جائزہ لیا اور ہواؤں کا رقص اور بادلوں کی مستی کا مشاہدہ کیا ۔ ان تمام اشیائے اسکو متحیر اور مستعجب کر دیا مگر انسان نے ابھی فطرت کے ایک ہی رخ کا نظارہ کیا تھا ۔ کچھ عرصہ کے بعد اسکی نگاہوں نے فطرت کا دوسرا رخ بھی دیکھ لیا اسکی نظر فطرت کے غضبناک چہرے پر بھی پڑی ۔ اس نے بادل کی گرج ، بجلی کی کڑک ، آندھی کا شور ، سمندر کا طوفان اور دریا کا سیلاب بھی دیکھا ۔ اس لیے خوف زدہ ہوکر اس نے کانوں پر ہاتھ رکھ لئے اور آنکھیں بند کر لیں اس طرح اسکے دل میں خوف کا جذبہ پیدا ہوا مگر طوفان کے بعد اس نے فطرت کے خط و خال کا دوبارہ جائیزہ لیا تو اس کو اس میں بھی حسن نظر آیا ۔ اس نے نیلے آسمان میں ایک کشش محسوس کی ۔ وہ شفق کی مسکراہٹ سے محظوظ ہوا ۔ چاند کے حسن نے

ع اس کا دل چھین لیا اور پھولوں کی نکہت نے اسکو
مست کردیا ۔" [1]

متذکرہ بالا سطور میں فطرت اور انسان کا رشتہ کسی حد تک واضح ہوگیا اور یہ بات سامنے آگئی کہ یہ زمین اصل میں فطرت کا ہی ایک حصہ ہے اور آج سے لاکھوں سال پہلے اسکی ایک الگ حیثیت قائم ہوگئی ۔ زمین اور فطرت کے ازل سے مربوط و منسلک ہونے کیلئے تاریخ کے شواہد موجود ہیں ۔ یہ رشتہ اس درجہ مضبوط ، مستحکم اور متحرک رہا ہے کہ زمین آج بھی فطرت کے ایک تابندے سیارے سورج کے گرد گردش کر رہی ہے اور یہ گردش تب تک قائم رہے گا جب تک اس دنیا کا وجود قائم ہے ۔

جہاں تک ادب اور فطرت کے درمیان آپسی اتحاد اور وابستگی کا تعلق ہے اس لسلسلے میں یہ واضح کرنا ضروری ہے کہ دنیا کا کوئی ادب فطرت نگاری کے بغیر نہ صرف ادھورا ہے بلکہ ناقابل قبول بھی ۔ مختلف اقوام کی زبانوں کی ادبیات میں سورج ، چاند ، ستاروں ، سیاروں ، پرندوں ، چرندوں ، پہاڑوں دریاؤں اور جھیلوں کا ذکر کہیں اجمالی اور کہیں تفصیلی انداز میں ملتا ہے مثلاً اگر ہم سب سے پہلے انگریزی شاعری پر ایک طائرانہ نظر ڈالیں گے تو ہمیں انگریزی ادبیات کا پورا سرمایہ فطری شاعری ( Natural Poetry ) کے اجزاء اور عناصر سے بھر پور نظر آئے گا ۔ وارڈ سورتھ کی نظموں کا تقریباً نصف حصہ

---

[1] اردو شاعری میں منظر نگاری ـــ ڈاکٹر سلام سندیلوی ـــ ص 52 ـ 53
ایجوکیشنل بک ہاؤس

فطرت کی گلکاریوں اور نظام کائنات کی خوبیوں اور خوبصورتیوں سے بھرا پرا نظر آئے گا ۔ وارڈ سورتھ نے خارجی مظاہر کی رنگینیوں کا تذکرہ ان مناظر سے بردست لگاؤ کے جذبے کے ماتحت کیا ہے ۔ وہ فطرت کے حسن کا نہ صرف عاشق تھا بلکہ وہ پرستش کی حد تک فطرت سے تعلق پیدا کر چکا تھا ۔ اشیاء فطرت کو دیکھ کر وارڈ سورتھ کبھی چونک کر ، کبھی گم صم ہوکر اور کبھی انہی اشیاء میں کھوکر رہ جاتا تھا ۔ وارڈ سورتھ کی مشہور نظم لیوسی ( Lucy ) فطرت کا ایک ... شاہکار ہی نہیں بلکہ فطرت پسندی کی ایک جیتی جاگتی علامت بھی ہے ۔ Lucy Gray کو علامتی شکل بخشکر شاعر کیسے ہی دلپزیر انداز میں پکار اٹھتا ہے :

Behold her, Single in the field
Yon, Solitary, Highland lass
Reaping and Singing by herself
Stop here or gently Pass

اس لڑکی ( لیوسی ) کو دیکھ جو اکیلی کھیت
میں فصل کاٹ رہی ہے
اپنے ساتھ کچھ گنگا رہی ہے
ذرا کچھ دیر کے لئے رک یا آہستگی
کے ساتھ چل

---

1 William Wordsworth — Collected Works of Wordsworth Page No 112
Printed by London Press

Will no one tell me
What she sings
Perhaps some Plaintive numbers flow
For old, unhappy far off things
And battles long ago[1]

کیا کوئی مجھے یہ نہیں بتائے گا
کہ وہ کیا گارہی ہے
شاید پرانے زمانوں کے غمناک
نغمے الاپ رہی ہے
یا جنگوں کا کوئی قصہ بیان کر رہی ہے

وارڈس ورتھ اسی طرح اپنی شاعری میں متعدد بار لیوسی جو ایک دیہاتی لڑکی ہوتی ہے کو علامت بناکر اسکے فطرت کے ساتھ گہرے تعلق، اسکی فطرت پسندی، اسکی فطرت بینی یا اقبال کے الفاظ میں وہ جہاں بینی مری فطرت ہے" کا اظہار کرتے ہوئے اپنی شاعری میں فطرت کے ساتھ محبت کا مظاہرہ کرتا ہے۔ ورڈس ورتھ اپنی شاعری میں کرما اور سرما کا ذکر اپنی مشہور نظم (Tintern Abbey) میں کرتے ہیں اور ساتھ ہی ساتھ اپنی بہن ڈارو تھی کو بھی فطرت کی ہی ایک علامت خیال کرتے ہیں۔

---

1, William Wordsworth ___ Collected works of wordsworth Page No 112
Printed by London Press

انگریزی کے رومانوی شاعروں نے ایک خاص انداز میں فطرت کی پاکیزگی کو سراہا ہے۔ روح کائنات میں وجود خداوندی کا تصور ادبیات سے کبھی خالی نہیں رہا ہے اور نہ ہی اٹھارویں صدی عیسوی کی شاعری میں یہ تصور مفقود ہے لیکن یہ ایک حقیقت ہے کہ تمام رومانوی شعراء میں وارڈس ورتھ خدا کے وجود کی ہمہ گیری کا زبردست قائل نظر آتا ہے۔ فطرت کے ساتھ اس کا رشتہ استاد اور شاگرد کا سا لگتا ہے۔ شاعر جوانی کے دنوں میں ایک پرندے کو چرا لاتا ہے وہ ایسا محسوس کرتا ہے جیسے فطرت اس کو پاک کر رہی ہے۔

I heard among the Solitary hills
Low breathings coming after me, and sounds
of undistinguishable motion steps
Almost as silent as the turf of thy Trod [1]

میں نے تنہا پہاڑوں کو سنا تھا
میرے پیچھے ہلکے سانس اور آوازیں آ رہی تھیں
ان قدموں سے جن کو پہچانا نہیں جاتا
ایسی ہی خاموش جیسے قدموں کے نیچے گھاس ہو

---

[1] William Wordsworth __ Collected works of Wordsworth
The Prelude by Wordsworth p 329-330
Printed by London Press

ایک دوسرے موقع پر فطرت پسند شاعر ایک بڑے پتھر کے اوپر چڑھکر پرندوں کے گھونسلے تلاش کرتا ہے - وہ ایک مسرت محسوس کرتا ہے کہ اسے اس تلاش کے دوران ایک غیر مرئی وجود کے ساتھ تعلق پیدا ہوگیا - وارڈ سورتھ اپنی شاعری میں جب کتابوں کا ذکر کرتا ہے تو اسے سب سے زیادہ فطرت کی کتاب یاد آتی ہے - کتابیں بڑی طاقت ہیں اور فطرت "دم خداوندی" ہے -

For ever to be hallowed, only less,
For what we may become and what we need
Than natur's self, which is the breath of God.[1]

ہم جو کچھ بھی ہیں یا جو بھی ہماری حیثیت ہوگی ۔
ہم اس دنیا میں دم خداوندی کے سوا کچھ بھی نہیں ہیں

وارڈ سورتھ کے فکر و خیال کے عین مطابق اسکا ہم عصر شاعر ایس - ٹی کولرج فطرت کے ایک ذرّے ذرّے مثلاً درختوں کے پتّوں اور پھول کی پتیوں سے محبت اور شرافت کے اسباق پڑھ لیتا ہے - اپنی مشہور نظم The Nature میں وہ لکھتا ہے :

---

1. William Wordsworth : Collected Works of Wordsworth
The Prelude by Wordsworth ___ p. 333
Printed by London Press

So will I build my altar in the fields
And blue sky my fretted dome shall be
And the sweet fragrance that the wild Flower yield
Shall be the incense I will yield to thee
Thee only God ! and Thou Shall not despise
Even me, the Priest of the Poor sacrifice[1]

میں اپنا مزار کسی کھیت میں بناؤں گا
اور اس نیلے آسمان کا ایک گنبد تعمیر ہوگا
اور اچھی خوشبو جو جنگلی پھولوں سے آجائے
اے مولا آپ مجھے اپنے کرم سے دور نہ رکھیں
میں جو ایک غریب پرستار ہوں تیری دنیا کا

فطری اور مافوق الفطری شاعری میں کولرج فطرت نگاری کے اعلیٰ اور عمدہ نمونے پیش کرتا ہے ۔ انکی شہرۂ آفاق نظم کوبلا خان (Kubla Khan) میں دریائے " وے " سمندر اور وہ بھی ۔ بے آفتاب سمندر کا ذکر کرتے ہوئے شاعر پڑھنے والوں کو فطرت کے ساتھ ہم آہنگ کر دیتا ہے اور اسی کے ساتھ نظم کے آخر میں ایک سفینہ کا تذکرہ کرتے ہوئے کہتا ہے :

---

1) The Prelude    Frost at Midnight in Poems    P.429

A damsel with a dulcimer
In a vision once I saw
Singing of the Mount Abbora
Could I revive within me
Her symphony and song
To such a deep delight
It would win me
The music Loud and long[1]

ایک مغنیہ ستار کے ساتھ
جس کو میں نے دیکھا کہ
کوہ ایبورا کے متعلق کچھ گا رہی تھی
کیا میں اپنے ساتھ اس کے نغمے دہراؤں
تاکہ اس نغمے کی خوشی سے میں دیر
تک محظوظ ہوکر رہ جاؤں

انگریزی شاعری کے دو نمائندہ شاعروں کا اوپر قدرے تفصیلی ذکر ہوا ہے۔ ان کے ساتھ ساتھ ہم جن دیگر شاعروں کا نام فطرت پسند شاعروں کی فہرست میں شامل کرسکتے ہیں ان میں بائرن، شیلے، براؤننگ، بلیک، ٹنی سن اور کیٹس خاص طور پر قابل ذکر ہیں۔ یہ وہ نام ہیں جن کے فکر و فن کو انگریزی ادب میں

---

1. S.T. Coleridge ---- Poetical Works of S.T, Coleridge
Oxford Printing Press 1940 Delhi

اور بالخصوص فطرت پسند ادب میں ایک خاص مرتبہ حاصل رہے گا۔

عربوں کی شعر گوئی اور فصاحت و بلاغت ایک مسلّمہ حقیقت ہے لیکن جب ہم عربی ادب پر ایک طائرانہ نظر ڈالتے ہیں تو اس میں منظر نگاری کے بہت کم نمونے نظر آتے ہیں۔ چنانچہ مولانا شبلی کے الفاظ میں "عربی اور فارسی میں مناظر قدرت پر بہت کم لکھا گیا ہے۔" یہ جملہ غور طلب ہے کیا وجہ ہے کہ عرب جو فن شعر پر گہری نظر رکھتے ہیں اس جانب متوجہ نہیں ہوئے اس سوال کا جواب محمد حسین آزاد نے یوں دیا ہے " عرب کا ملک ریگستان اور کوہستان ہے۔ پتھریلی ، خاکی ، مخلوط ، ناہموار ، سہل دشوار گزار ، بادرخت ، بے درخت وغیرہ وغیرہ اقسام کی زمینیں تھیں جن میں رات دن رہنا ، سہنا ، خانہ بدوش پھرنا ان کا کام تھا۔ سلسئے ہر ایک کے لئے جدا جدا الفاظ تھے۔ درخت تھے ، کھجور کے اور اکثر روکھے سوکھے قسم کے درخت نظر آتے تھے۔ اونٹ ، شتر مرغ اور جنگلی گائیں ، پہاڑی بکرے ، ہرنیاں ، بکریاں ، بھیڑیں وغیرہ جانور آنکھوں کے سامنے پھرتے تھے۔" [1]

اس ماحول میں عرب شاعروں کو کسی ہریالی پر نظر پڑ سکتی تھی۔ کس دریا کی روانی انہیں اپنی طرف مائل کر سکتی تھی اور پہاڑوں ، جنگلوں میں درختوں پر پرندوں کی چہچہاہٹ کا فقدان انہیں منظر کشی پر کیسے آمادہ کر سکتا تھا۔ یہی وجہ ہے کہ عربی شاعری میں مناظر کی کمی ہے لیکن عرب

---

1۔ بحوالہ ڈاکٹر سلام سندیلوی ـــ اردو شاعری میں منظر نگاری ـــ ص 112
ایجوکیشنل بک ہاؤس دہلی

شاعر اپنے محبوب اور معشوق کے خد و خال کی منظر کشی اس انداز میں کرتے ہیں کہ پڑھنے والا حیران ہوکر رہ جاتا ہے ۔ معشوق کے شہر کا ، وہاں کی گلیوں کا ، ان گلیوں میں ریت کے ذرّوں کا اور معشوق کے سراپا کا تذکرہ بڑے ہی دلکش اسلوب بیان میں ملتا ہے ۔

فارسی شاعری میں منظر نگاری کے اعلیٰ نمونے قصائد میں ملتے ہیں ویسے قصیدے عام طور پر ایرانی بادشاہوں کی تعریف میں لکھے جاتے تھے اور تعریفوں کا انداز کچھ ایسا عجیب و غریب ہوتا تھا کہ بادشاہ مختار کل کے طور پیش کیا جاتا اور اسکے ساتھ ایسی باتیں منسوب کی جاتی تھیں جن میں اقتدار اور اختیار کا منبع بادشاہ کو قرار دیا جاتا اور اس کے فوراً بعد قصیدہ گو اپنے لئے کسی انعام ، کسی صلے اور کسی نوازش کی گزارش کرتا جو بادشاہ تسلیم کر لیتا اور اس طرح شاعر اپنے پر انعامات کی بارش ہوتی ۔ یہی سبب ہے کہ مناظر کے اعتبار سے ایران زرخیز ہوتے ہوئے ایرانی شاعری میں منظر نگاری کے بہت کم نمونے ملتے ہیں تاہم قصیدے کی تشبیب میں شاعر کو بہار یہ انداز اختیار کر کے سبزہ زاروں ، جنگلوں ، بیابانوں ، آبشاروں اور مرغزاروں کا لازماً ذکر کرنا پڑتا تھا ۔ اس طرح ایرانی شاعری میں منظر نگاری کا عنصر ادھر ادھر سے شامل ہوگیا اور اس طرح منظر نگاری اس میں جگہ پا گئی۔ فارسی شعراء کی ایک بڑی کمزوری یہ رہی ہے کہ انھوں نے اپنا کمال فن قصیدہ نگا

کی صنف میں دکھایا اور اپنی قومی اور آبائی ہیرو ئی کے احوال اور خصوصیات کو شعر کے سانچے میں ڈھالتے رہے ۔کبھی سہراب اور رستم کی بہادری کے قصے ، کبھی ایران کی قومیت اور کبھی اپنے ادب کی اہمیت کو شعر و سخن کی زبان میں ادا کرتے رہے اور یہی وجہ ہے کہ فارسی شاعری اپنی ساری خوبیوں کے باوجود منظر نگاری کے صفات سے عاری رہی تاہم موجودہ زمانے میں جبکہ قصیدہ گوئی کی صنف تقریباً زوال پزیر ہوگئی ہے ۔فارسی شاعری میں دیگر مضامین جن میں منظر نگاری بھی شامل ہے نے اچھی خاصی جگہ پالی ہے ۔

گزشتہ صفحات میں انتہائی اختصار کے ساتھ انگریزی ، عربی اور فارسی شاعری میں منظر کشی کی صورت حال بیان کی گئی ہے ۔اگلے صفحات میں منظر نگاری کے حوالے سے اردو شاعری کا جائزہ لایا جائے گا اور اس سلسلے میں شعراء کے کلام سے مثالیں بھی پیش کی جائیں گی جہاں تک اردو زبان کا تعلق ہے یہ زبان ایک منفرد انداز بیان اور شیرینی کی حامل ہے ۔اردو نے میر و غالب اور آتش و اقبال کو پیدا کیا ۔ان شاعروں کا ایک مخصوص مزاج تھا اور اپنی بے مثال غزل گوئی میں انھوں نے فطرت کے رنگ کو ہاتھ سے جانے نہیں دیا ۔مرزا غالب کی شاعری نے اردو کو عالمی ادب میں جگہ دی اور صنف غزل کو بام عروج تک پہنچایا ۔ یہی وجہ ہے کہ غزل "اردو شاعری کی " آبرو" قرار پائی ۔

غالب نے اپنی غزلوں میں در یا ، پانی ، برف ، بحر ، افق ، آسمان ، ابر فلک ، کوہسار گلشن وغیرہ الفاظ استعمال کئے ہیں جن سے انکی فطرت پسند ی کا اظہار ہوتا ہے ۔ میر تقی میر کی شاعری اور اسکی فنکاری کو خراج تحسین ادا کرتے ہوئے مرزا غالب سر زمین کشمیر کا ذکر کرتے ہوئے فرماتے ہیں :

میر کے شعر کا احوال کہوں کیا غالب
ان کا دیوان کم از گلشن کشمیر نہیں

اس شعر میں غالب دیوان میر کی خوبیوں اور خوبصورتیوں کا ذکر کرتے ہیں لیکن دیوان کی خوبیوں کا موازنہ اس نے گلشن کشمیر سے کیا ہے ۔ اس طرح یہ بات واضح ہوجاتی ہے کہ غالب نے کشمیر کے فطری حسن و جمال کے بارے میں سنا تھا اگر چہ وہ بذات خود یہاں تشریف نہیں لائے تھے ۔ کشمیر کے بارے میں غالب کا یہ حسن خیال کشمیریوں کے لئے باعث اعزاز ہے ۔

اردو کی شعری اصناف میں قصیدہ اور مرثیہ قدیم اصناف کی حیثیت رکھتی ہیں اور ان دونوں میں شعراء نے منظر نگاری اور کردار نگاری کے قابل قدر نمونے پیش کئے ہیں ۔ قصائد میں بنیادی طور پر منظر نگاری تشبیب میں تلاش کی جا سکتی ہے ۔ دکنی شعراء میں محمد قلی قطب شاہ ( دور حکومت 988ھ تا 1020ھ ) پہلا صاحب دیوان شاعر ہے جس کے یہاں مختلف اصناف سخن ملتے ہیں ۔ اس نے قصیدے بھی لکھے ہیں اس نے اپنے قصیدہ منقبت میں فطرت کو بطور پس منظر استعمال کیا ہے ۔ فطرت سے وابستہ مناظر کی نقش گری قطب شاہ نے بڑے شاندار پیرائے میں کی

مشہور شاعر ولی گجراتی نے ایک خوبصورت قصیدہ شاہ وجیہ الدین کی مدح میں کہا ہے چنانچہ اس کی تشبیب میں فطرت کا استعمال کیا ہے ۔ قصیدے سے نمونتہً چند اشعار پیش کئے جاتے ہیں جن سے ولی کی فطرت پسندی کا اظہار ہوتا ہے :

ہوا ہے خلق ابر پھر کے فضل سہانی
کیا ہے ابر نے رحمت سوں گوہر افشانی
بہ آب صاف ہیں گوہر کو دیکھ خجلت سوں
صدف کی بیت میں گل کر ہوا ہے جیوں پانی
قطار قطرہ شبنم سوں آج سبزۂ خضر
لیے سبحہ ہاتھ میں کرتا ہے ادعیہ خوانی
ہر ایک قطرۂ شبنم ہے غیرت گوہر
ہر ایک پات پہ برسا جوا بر نیسانی[1]

قصیدہ نگاری میں محمد ابراہیم ذوق کے نام سے کون آگاہ نہیں ۔ قصائد ذوق دیں ہمیں بہت ہی اعلیٰ درجے کی منظر نگاری نظر آتی ہے ۔ قصیدے میں شوکت الفاظ اور ایرانی رنگ برقرار رکھنے کی کوشش کی گئی ہے ۔

---

[1] ڈاکٹر نورالحسن ہاشمی ــ کلیات ولی ص 229 مطبوعہ لکھنو۔ نسیم بکڈپو 1976

ہے آج یوں خوش نما نور سحر رنگ شفق

پر تو ہے کس خورشید کا ، نور سحر رنگ شفق

یہ جوش نسرین و سمن ، یہ لالہ و گل کا چمن

گلشن میں گویا چھا گیا ، نور سحر رنگ شفق

ہر سرو قد غنچہ دہن زیب چمن شان چمن

ہر نسیم بر گلگوں تھا ، نور سحر رنگ شفق

دیکھے چمن میں برگ گل آلودہ شبنم جو کل

خجلت سے پانی ہوگیا ، نور سحر رنگ شفق [1]

مرزا غالب اردو شاعری میں اگر چہ چوٹی کے غزل گو مانے جاتے ہیں انہوں نے چند قصیدے بھی لکھے ہیں جن میں مناظر قدرت کی کچھ بہترین تصویریں پیش کی ہیں ۔ بہادر شاہ ظفر کی تعریف میں غالب نے جو قصیدہ لکھا ہے اسکی تشبیب میں منظر نگاری کا کمال یوں نظر آتا ہے :

صبحدم دروازۂ خاور کھلا

مہر عالمتاب کا منظر کھلا

خسرو انجم کے آیا صرف میں

شب کو تھا گنجینۂ گوہر کھلا

---

1. شاہ سلیمان ــــ قصائد ذوق ــــ ص 12 ــ مطبوعہ کراچی اردو اکیڈمی 1976

وہ بھی تھی اک سیمیا کی سی نمود

صبح کو راز مہ و اختر کھلا

ہیں کواکب کچھ نظر آتے ہیں کچھ

دیتے ہیں دھوکہ یہ بازی گر کھلا

سطح گردوں پر پڑا تھا رات کو

موتیوں کا ہر طرف زیور کھلا

صبح آیا جانب مشرق نظر

اک نگار آتشین رخ سر کھلا [1]

مرزا غالب کے ہاں منظر نگاری کے اور بھی اچھے نمونے مل سکتے ہیں لیکن یہاں اختصار سے کام لے کر صرف ایک اور قصیدے سے چند اشعار اخذ کئے جاتے ہیں جس میں شاعر نے چاند سے مخاطب ہوکر کہا ہے :

ہاں مہ نو سنیں ہم اس کا نام

جس کو تو جھک کے کر رہا ہے سلام

دو دن آیا ہے تو نظر دم صبح

یہی انداز اور یہی اندام

بارے دو دن کہاں رہا غائب

بندہ عاجز ہے گردش ایام

---

[1] دیوان غالب اردو مرتبہ عرشی ــــ ص 132
دہلی انجمن ترقی اردو ہند 1982

از کے جاتا کہاں کہ تاروں کا

آسمان نے بچھا رکھا تھا دام [1]

غالب کے ان قصیدوں میں بقول کلیم الدین احمد کے مناظر قدرت کی صحیح جھلک نظر آتی ہے ۔

اردو قصیدوں پر ایک طائرانہ نظر ڈالتے ہوئے اردو مرثیوں پر بھی ایک نگاہ ڈالنا ضروری محسوس ہوتا ہے ۔ اردو میں مرثیے اگرچہ میر انیس سے پہلے بھی لکھے جاتے تھے لیکن انیس نے پہلی بار مناظر فطرت کو مرثیوں میں شامل کیا ۔ یہ مناظر اصل مرثیہ کے لازمی جزو ہیں لیکن ان کو مرثیہ سے الگ بھی کیا جا سکتا ہے اور اگر ان مناظر کو یکجا کر دیا جائے تو منظر نگاری کا ایک الگ دیوان منظر عام پر آسکتا ہے ۔ اردو کے مرثیہ نگاروں میں میر انیس کو ایک منفرد حیثیت حاصل ہے اپنے مراثی میں وہ مناظر فطرت کا ذکر کرتے ہوئے اصل واقعات کے اثر کو اور زیادہ موثر اور توانا بنا دیتے ہیں مثلاً صبح کا منظر انہوں نے یوں کھینچا ہے :

طے کر چکا جو منزل شب کاروان صبح

ہونے لگا افق سے ہویدا نشان صبح

گردوں سے کوچ کرنے لگے اختران صبح

ہر سو ہوئی بلند صدائے اذان صبح

---

[1] دیوان غالب اردو مرتبہ عرشی رامپوری ــــ ص 125 مطبوعہ دہلی انجمن ترقی ۱۹۸۲

پنہاں نظر سے روئے شب تار ہو گیا
عالم تمام مطلع انوار ہو گیا [1]

میر انیس کی منظر نگاری اگرچہ ان کے مرثیوں میں ملتی ہے جو مرثیے غم و الم کی کیفیت ظاہر کرتے ہیں لیکن مناظر کا ذکر کرتے وقت ایسا محسوس ہوتا ہے کہ شاعر مناظر فطرت میں لطف و انبساط کا سامان تلاش کر رہا ہے اور وہ فطرت کے حسن سے محظوظ ہو رہا ہے ۔ میر انیس نے اس موقع پر حسین تشبیہات و استعارات کا استعمال کیا ہے جس سے منظر کشی میں ایک لطیف قسم کی دلکشی پیدا ہو گئی ہے ۔ ذیل میں درج ان کے چند بند نقل کئے جاتے ہیں :

پھولا شفق سے چرخ پہ جب لالہ زار صبح
گلزار شب خزاں ہوئی آئی بہار صبح
کرنے لگا فلک زر انجم نثار صبح
سرگرم ذکر حق ہوئے طاعت گزار صبح
تھا چرخ اخضری پہ یہ رنگ آفتاب کا
کھلتا ہے جیسے پھول چمن میں گلاب کا

وہ صبح اور وہ نور ، وہ صحرا وہ سبزہ زار
تھے طائروں کے غول درختوں پہ بے شمار
چلنا نسیم صبح کا رہ رہ کے بار بار
کوکو وہ قمریوں کی وہ طاؤس کی پکار

---

[1] ڈاکٹر مسعود حسن رضوی ادیب — روح انیس — ص ۱۲۷ مطبوعہ دہلی انجمن ترقی اردو

وا تھے در یچے باغ بہشت نسیم کے
ہر سو رواں تھے دشت میں جھونکے نسیم کے

آمد وہ آفتاب کی وہ صبح کا سماں
تھا جس کی ضو سے وجد میں طاؤس آسماں
ذرّوں کی روشنی پہ ستاروں کا تھا گماں
نہر فرات بیچ میں تھی مثل کہکشاں
ہر نخل پر ضیائے سر کوہ طور تھی
گویا فلک سے بارشِ بارانِ نور تھی [1]

میر انیس نے اپنے مرثیوں میں منظر نگاری کرتے وقت کہیں کہیں مبالغے سے بھی کام لیا ہے اگرچہ اس مبالغے میں بھی ایک قسم کی حسن لطافت ہے۔ کربلا کا واقعہ ایک میدان میں ہوا جس کا نقشہ انہوں نے یوں کھینچا ہے:

وہ بار ور درخت وہ صحرا وہ سبزہ زار
شبنم کے وہ گلوں پہ گہر ہائے آبدار

اس سے پتہ چلتا ہے کہ میدان کربلا میں چمن، پھول اور سبزہ وغیرہ کا وجود تھا جہاں تک انیس کی رباعیوں کا تعلق ہے ان میں اگرچہ وہ زور وہ توانائی اور وہ اثر انگیزی موجود نہیں ہے جو ان کے دیگر کلام میں موجود ہے تاہم

---

1. مراثی انیس۔ جلد دوم ۔ ص 251
مرتبہ مطبوعہ لکھنو تیج کمار 1976

منظر نگاری کے سلسلے میں چند رباعیوں کا نقل کرنا ضروری محسوس ہوتا ہے -

ہر غنچے سے شاخ گل ہے کھڑی نذر بکف
ہے روز خلافت شاہنشہہ نجف
حیدر ہوئے جانشین خاص نبوی
ہے آج طلوع نیر برج شرف[1]

لاریب بہشتیوں کا مرجع ہے یہ
سب جس میں بھرے ہیں گل وہ مجمع ہے یہ
دیکھے کوئی صورتوں کو چشم بد دور
مالی بھی ہے دنگ وہ مرقع ہے یہ[2]

آنکھ ابر بہاری سے لڑی رہتی ہے
اشکوں کی ردا منہ پر پڑی رہتی ہے
دونوں آنکھیں ہیں میری ساون بھادوں
ہاں سارے برس ایک جھڑی رہتی ہے[3]

---

1. رباعیات انیس — علی جواد زیدی — ص 157 مطبوعہ ترقی اردو بیورو نئی دہلی
2. ایضاً ص 221
3. ایضاً ص 241

اردو مرثیہ نگاری میں دوسرا اہم نام مرزا سلامت علی دبیر کا ہے۔ جن کی مراثی میں منظر کشی کے بہت ہی نادر نمونے ملتے ہیں۔ دبیر بعض اوقات منظر نگاری کرتے وقت قرآنی آیات کا سہارا لیتے ہیں۔ وہ کائنات انسانی فطرت اور نظام عالم کی عکاسی اپنے مخصوص پیرائے میں کرتے ہیں۔ فصاحت و بلاغت اور تشبیہ و استعارہ کا جو شاندار نظام دبیر کی منظر نگاری میں ملتا ہے اس سے ہم ان کی شاعرانہ قدر و قیمت سے بخوبی آگاہ ہوجاتے ہیں۔ دبیر اپنے مرثیوں میں جب صبح کا ذکر کرتے ہیں تو لفظوں کی مالا یوں پرو دیتے ہیں:

جب ختم کیا سورۂ واللیل قمر نے
اور سیمۂ انجم کو لگا ہاتھ سے دھرنے
آغاز کیا آئینہ والشمس سحر نے
اور روکے کہا فاطمہ خستہ جگر نے

پوشیدہ ہوا روئے قمر چرخ بریں میں
چھپ جائے گا اب چاند ہمارا بھی زمیں میں

مہتاب تو پھر چرخ پہ آئے گا دوبارہ
چھپ کر نہ کبھی نکلے گا پھر چاند ہمارا
بھر جائے گا تاروں سے فلک رات کو سارا
پھر ڈوب کے چمکے گا نہ زہرا کا ستارا

سورج بھی یہاں چرخ پہ تا شام رہے گا
خورشید میرا چار گھڑی دن سے چھپے گا [1]

اوپر کی ان سطور میں شاعر نے لفظوں کا جادو جگایا ہے مثلاً قمر و دھر اور خستہ جگر جیسے الفاظ استعمال کئے ہیں ۔ اس طرح شاعر ایک ایسی دنیا ترتیب دے چکا ہے جس میں نظر اور منظر کا بڑا امتزاج ہے ۔ اردو کے مرثیوں میں دوسرے شعراء نے بھی منظر نگاری کا کمال دکھایا ہے چنانچہ انیس و دبیر کے علاوہ دیگر مرثیہ گو شاعروں نے اگر چہ میدان کربلا کو ہی اپنے خیالات کا مرکز و محور بنادیا اور اس واقعہ کے مذہبی اور شہادتی پہلوؤں کو ابھارا ہے تاہم کربلا کے مناظر ، فرات کے پانی اس کی لہروں اور شہیدوں کے خون کی موجوں کا ذکر بڑے ہی دلکش پیرائے میں کیا ہے ۔ ان شاعروں نے مناظر اور واقعیات کا آپس میں ایسا تال میل پیدا کیا ہے کہ قاری مناظر کی رنگینیوں میں گم ہوکر رہ جاتا ہے ۔ واقعات کربلا کا اگر چہ بنیادی اور لازمی پہلو شہداء کے مناقب بیان کرنا ہے تاہم شعراء اردو نے مناقب کے ساتھ ساتھ مناظر کا اچھا خاصا اہتمام کیا ہے اور اردو شاعری کے ادبی سرمائے میں گراں قدر اضافہ کیا ہے ۔ اس طرح مرثیہ میں منظر نگاری ایک اہم جزو کے طور ابھر کر اردو شاعری کا ایک لازمی حصہ بن گئی ہے ۔

---

1 مرثیہ مرزا دبیر ـــــ جلد اوّل ـــــ ص 57 مطبوعہ ترقی اردو بیورو دہلی

اصناف ادب میں مثنوی کا مقام محتاج تعارف نہیں ۔ اردو میں اگرچہ چند ہی مثنویاں تحریر کی گئی ہیں تاہم ان کے فکر و فن نے اردو شاعری کو ایک زرخیز اور شاداب زبان کی حیثیت میں ابھارا ۔ یہ مثنویاں مناظر فطرت کے اعتبار سے شاہکار کی حیثیت رکھتی ہیں ۔ میر حسن اور دیا شنکر نسیم نے دو ایسی لاثانی مثنویاں لکھیں جن کا پوری اردو شاعری میں جواب نہیں ۔ نسیم نے اپنی مثنوی " گلزار نسیم " میں بکاولی اور فطرت کے درمیان گفتگو دکھائی ہے ۔ بکاولی جب اپنا پھول غائب پاتی ہے تو چمن کے افراد سے یوں مخاطب ہوتی ہے :

نرگس تو دکھا کدھر گیا گل　　سوسن تو بتا کدھر گیا گل
سنبل ہوا تازیانہ لانا　　شمشاد انہیں سولی پہ چڑھانا
نرگس نے نگاہ بازیاں کیں　　سوسن نے زبان درازیاں کیں
پتا بھی پتے کو جب نہ پایا　　کہنے لگیں کیا ہوا خدایا
بلبل تو چہک اگر خبر ہے　　گل تو ہی مہک بتا کدھر ہے
انگلی لب جو پہ رکھ کے شمشاد　　تھا دم بخود سن کے اسکی فریاد
جو نخل تھا سوچ میں کھڑا تھا　　جو برگ تھا ہاتھ مل رہا تھا [1]

---

[1] مثنوی گلزار نسیم ـــ مرتبہ ڈاکٹر رفیق حسین ـــ ص 79
مطبوعہ آگرہ پرنٹنگ پریس

اور کے اشعار میں نرگس، سنبل، سوسن، شمشاد اور بلبل کو چاند تصور کیا گیا ہے یہی نہیں بلکہ ان افراد فطرت میں انسانی عادات و خصائل کی جھلک بھی دکھائی گئی ہے مثلاً نرگس نے انسان ہی طرح خصوصیت کا مظاہرہ کیا - اس طرح اس سانحہ سے متاثر ہوکر ہر درخت سرج میں کھڑا تھا اور ہر پتا افسوس کر رہا تھا - نسیم کی یہ منظر کشی تعریف و تحسین کی مستحق ہے -

اکبر کا نام اردو شاعری کے مکرم شعراء کی فہرست میں ہمیشہ سرفہرست رہے گا - اپنی بے پناہ شعری صلاحیتوں کو پوری فنکاری کے ساتھ بروئے کار لاکر اکبر نے شعر کے دامن کو مزّین کیا وہ اگرچہ طنز و ظرافت کے ساجی اور تمدنی قدروں کی بازیافت کے شاعر ہیں لیکن منظر نگاری کا پہلو ان کے شعر میں مختلف موقعوں پر بہت ہی اچھے انداز میں ابھرتا ہے - انھوں نے مصورانہ شاعری کی ایک بہت ہی قابل قدر مثال پیش کی ہے - اپنی ایک نظم "روائی آب" کے عنوان سے انھوں نے پانی کے بہاؤ، اس کی لہروں کے طلاطم اور اسکے مد و جزر کو یوں خوبصورتی کے ساتھ پیش کیا ہے :

اچھلتا ہوا اور ابلتا ہوا — اکڑتا ہوا اور مچلتا ہوا
روانی میں اک شور کرتا ہوا — رکاوٹ میں اک زور کرتا ہوا
وہ کاتا ہوا اور بچھاتا ہوا — یہ لہروں کو پیہم نچاتا ہوا
یہ گھٹتا ہوا اور بڑھتا ہوا — اترتا ہوا اور چڑھتا ہوا

گل و خار یکساں سمجھتا ہوا ـــــ ہر اک سے برابر انجھتا ہوا
بہتا تا ہوا اور بہتا ہوا ـــــ ہوا کے طمانچوں کو سہتا ہوا
وہ کھیتوں میں راہیں کرتا ہوا ـــــ زمینوں کو شاداب کرتا ہوا[1]

دراصل دور جدید کی اردو منظوی شاعری پر مغربی شاعری کا گہرا اثر موجود ہے ۔ یہ ایک ایسی صورت حال ہے جو اکبر کے زمانے میں برابر جاری رہی اکبر کی یہ نظم مغربی طرز پر لکھی گئی ہے اور اس میں اکبر کو کافی کامیابی حاصل ہوئی ۔ اکبر نے ایک نظم میں تیتریوں کے رقص کا منظر یوں دکھایا ہے:

دو تیتریاں ہوا میں اڑتی دیکھیں
اک آن میں سو طرف کو پھرتی دیکھیں
بھولی ، خوشرنگ ، چست ، نازک پیاری
پہنے ہوئے فطرتی منقش ساری[2]

اس قسم کی مثالوں سے یہ بات روشن ہوجاتی ہے کہ اکبر زبان و بیان پر کامل دسترس رکھنے کے ساتھ ساتھ فطرت کا صحیح عاشق اور مناظر کا بہترین نقاش تھا اور ساتھ ہی زبان پر بے پناہ قدرت رکھنے کے باعث وہ الفاظ کے مناسب اور بر محل استعمال پر قادر تھا اور اس طرح اپنی قوت متخیلہ کا بھرپور مظاہرہ کرتا ہے ۔

---

1. کلیات اکبر ـــ حصہ اول ـــ مطبوعہ یونین پرنٹنگ پریس دہلی ـــ ص 244
2. مناظر قدرت مرتبہ الیاس برنی ـــ ص 136 مطبوعہ ترقی اردو بیورو دہلی

جہاں تک اردو کی دیگر اصناف کا تعلق ہے اس سلسلے میں نظم ، غزل رباعیات اور مسدس میں ہمیں مناظر کی عکاسی کے ہزاروں اچھے خاصے نمونے ملتے ہیں - چنانچہ نظم نگاروں اور غزل گوؤں کی تعداد سینکڑوں میں ہے لہٰذا اس مختصر سے مقالے میں ان سب کا علاحدہ علاحدہ ذکر کرنا اور ان میں موجود خوبیوں کو سراہنا مشکل ہے البتہ یہاں صرف چند چوٹی کے شعراء کے کلام کا تجزیہ اور ان کی فطرت کے ساتھ وابستگی کا ذکر کیا جائے گا ابتدا اردو کے پہلے گو شاعر جوش ملیح آبادی سے ہوگی -

جوش فطرت کے بہت بڑے شیدائی تھے انہوں نے مناظر فطرت کے ذریعے فلسفے کی باتیں نہیں بتائی بلکہ فطرت برائے فطرت کا نظریہ پیش کیا - ان کی نظموں میں منظر کشی کا ایسا نورانی سیلاب نظر آتا ہے جو اپنی پوری روانی کے ساتھ جاری ہے - مثال کے طور پر ان کی ایک نظم " گریہ مسرت " حیدر آباد کے ایک تالاب سے متعلق ہے - چنانچہ تالاب سے اٹھنے والی لہروں کے منظر کو الفاظ کے جادوگر شاعر نے یوں لفظوں کے سانچے میں ڈھالا ہے :

روح طوفان در بغل کف در دہاں

لو سنو کس طرح تہیں موجیں رواں

جھاگ اڑاتی ، پھاندتی ، اڑتی ہوئی

کپکپاتی ، لوٹتی ، لڑتی ہوئی

چلبلی کا بھری ہوئی ، بکھری ہوئی
دم بہ دم آتی ہوئی جاتی ہوئی
زیر و بم کا تار دکھلاتی ہوئی
اٹھ کے بڑھتی ، گر کے چکراتی ہوئی
گنگناتی صف بہ صف آتی ہوئی
لڑتی ، بھرتی ، گونجتی ، گاتی ہوئی
جابجا دل دل میں کاجل پارتی
چوکڑی بھرتی ، چھلانگیں مارتی
گاتی ، لہراتی ، گرجتی ، ہانپتی
دوڑتی ، بڑھتی ، سمٹتی ، کانپتی[1]

جوش نے اس نظم میں وہ سارے لفظ استعمال میں لائے ہیں جن کا مشاہدہ دریا کے کنارے موجوں کے اٹھنے اور ایک دوسرے سے ٹکرانے کے موقعے پر ہوتا ہے ۔ رقص، ٹکراؤ، تصادم، تھر تھری اور اس قسم کی ساری کیفیتیں اوپر کے اشعار میں سامنے آجاتی ہیں ۔ اردو کے منظر نگار شاعروں میں جوش کو یہ امتیاز حاصل ہے کہ وہ اپنے پڑھنے والوں کو مناظر سے لطف اندوز بھی کر دیتے ہیں اور گھر بیٹھے ان علاقوں کی سیر کراتے ہیں جن کا وہ اپنی

---

[1] سیف و سبو ـــ جوش ملیح آبادی ـــ ص 81 ـ 82 ، مطبوعہ آگرہ بک ڈپو آگرہ

شاعری میں ذکر کرتے ہیں خواہ وہ گنگا اور جمنا کے کنارے ہوں ، تاج محل کے در و دیوار ہوں یا ہندوستان کے جنگلوں کے پرندے اور سبزہ زار ہوں وہ اپنے اشعار میں موسموں کا بڑے شاندار الفاظ میں ذکر کرتے ہیں اگرچہ کچھ لفظ وہ زائد بھی استعمال کرتے ہیں تاہم وہ مناظر سے ہمیں لطف اندوز ہونے کی دعوت دیتے ہیں یہاں ان کی ایک مشہور نظم "السہیلی صبح" کے اقتباس کو نقل کرتے ہوئے ان کے کمال منظر کشی کا نمونہ پیش کیا جاتا ہے ۔

نظر جھکائے عروس فطرت ، جبیں سے زلفیں چھڑا رہی ہے
سحر کا تارا ہے زلزلے میں افق کی لو تھرتھرا رہی ہے

روش روش نغمۂ طرب ہے چمن چمن جشن رنگ و بو ہے
طیور شاخوں پہ ہیں غزل خواں ، کلی کلی گنگنا رہی ہے

ستارۂ صبح کی رسیلی جھپکتی آنکھوں میں ہیں فسانے
نگار مہتاب کی نشیلی نگاہ جادو جگا رہی ہے

طیور بزم طرب کے مطرب ، لچکتی شاخوں پہ گا رہی ہے
نسیم فردوس کی سہیلی ، گلوں کو جھولا جھلا رہی ہے

کلی پہ بیلے کی کس ادا سے پڑا ہے شبنم کا ایک موتی
نہیں یہ ہیرے کی کیل پہنے ، کوئی پری مسکرا رہی ہے

شلوکہ پہنے ہوئے گلابی ، ہر اک سبک پنکھڑی چمن میں
رنگی ہوئی سرخ اوڑھنی کا ہوا میں پلو سکھا رہی ہے
فلک پہ اس طرح چھپ رہے ہیں ہلال کے گرد و پیش تارے
کہ جیسے کوئی نئی نویلی جبیں سے افشاں چھڑا رہی ہے [1]

جوش کی قوت مشاہدہ عمیق اور تیز ہے - یہی وجہ ہے کہ جوش نے جو خیالی تصویریں کھینچی ہیں وہ صداقت پر مبنی ہیں - ان کے منظری اشعار میں مبالغہ کم اور مشاہدہ زیادہ ہے - اس لئے ہر منظر کی تصویر صاف ستھری نکھر آئی ہے - ایک موقع پر جوش لکھتے ہیں :

جہاز یاں تھیں سبز دریا کے کنارے جابجا

اس ایک مصرعے میں دریا کے کنارے کی ہریالی اور جہاڑیوں کا ذکر اس انداز سے کیا گیا ہے کہ ہمارے سامنے دریا کی پوری تصویر آجاتی ہے - اس مصرعے میں جوش نے صرف منظر نگاری کا معاملہ ہی نہیں بلکہ ہندوستان کی پوری فضا کو سمیٹا ہے جو ملک دریاؤں کے کناروں ہزاروں برس سے آباد ہے - جوش ویسے ایک انقلابی شاعر ہے اور اپنی شاعری کو شباب اور تغیر کے نام سے تعبیر کرتا ہے تاہم انقلابی نظموں میں بھی منظر کشی کے بڑے دلچسپ نقوش ملتے ہیں مثلاً شاعر ایک نظم میں ایک ضعیفہ کی غربت اور راستے پر اس کے سوجانے کو لفظوں

---

[1] سیف و سبو ـــ جوش ملیح آبادی ـــ ص ۷۲ - 93

مطبوعہ کمپیوٹر پرنٹنگ ـــ پریس ، دہلی

کا آہنگ بخشتے ہیں ۔ اسکی غربت اور مفلسی کو دیکھکر شاعر اس کے درد کو لفظوں کے سانچے میں ڈھالتا ہے چونکہ یہ سماں رات کے وقت میں سامنے آتا ہے اس لئے جوش نے رات کی منظر کشی بڑے اچھے پیرائے میں انجام دی ہے۔ اس بوڑھی عورت کی غربت، مفلسی ، وحشت اور رات کے بھیانک تاریکی کو شاعر نے منظر نگاری کے ساتھ یوں پیش کیا ہے :

رات آدھی آچکی ہے بام و در خاموش ہیں
اہل دولت لیلی عشرت سے ہم آغوش ہیں
پیچھے پیچھے آرہا ہے کون یہ کیا بات ہے
بج رہے ہیں کان اف کیسی بھیانک رات ہے
ہیبت و دہشت کا خنجر ہے دل غمناک پر
ہائے یہ بے دم پڑا ہے کون ٹھنڈی خاک پر[1]

جوش نے اپنی ایک چھوٹی سی کتاب " موجد و مفکر " میں کربلا کے شہیدوں کو شکار الفاظ میں خراج عقیدت ادا کرتے ہوئے مناظر کا بیان فنکارانہ انداز میں کیا ہے ۔ واقعہ کو تاریخ ، تمدن ، تہذیب اور انقلاب کے مختلف پہلوؤں سے مربوط کر کے شاعر نے منظر نگاری کی ایک نئی کیفیت وجود میں لائی ہے ۔

مسکراکر جب ہوئی طالع تمدن کی سحر
جنگلوں سے شہر کی جانب بڑی فکر بشر

---

1. شعلہ و شبنم ــ ص 75 شبیر حسن خان جوش( جوش ملیح آبادی )
دہلی ہمالیہ بک ہاؤس

رسائی آرزوئے بام چونکا ذوق در

کشت خاک تار میں اگنے لگے شمس و قمر

خوشہ حس زمیں یوں ناز سے پکنے لگا

داب کر دانتوں میں انگلی آسماں تکنے لگا

سر جھکا یا جہل نے پھر علم کے دربار میں

دائرے بننے لگے جنبش موئی پرکار میں

آئینے کا ذوق جاگا خاطر زنگار میں

سبزہ ار شاد لہکا گلشن گفتار میں

اور پھر سبزے کے تختوں میں روانی آگئی

نوع انسان کی رگوں میں بھیگیں جوانی آگئی

حضرت حسین کا نام لئے بغیر ان کے نقوش زندگی ، کارناموں اور احسانات کا تذکرہ کس خوبی کے ساتھ لیا گیا ہے :

بخشتا ہے معتدل فکر و عمل کو جو وقار

آدمیوں کو جو بناتا ہے نسیم لالہ زار

جسکے ابر لطف سے پاتی ہے سیرت برگ و بار

مضوی آجائے انسانی میں ہوتا ہے شمار

بارشیں قرنوں کی اسکا قصر ڈھا سکتی نہیں

آندھیاں اسکے چراغوں کو بجھا سکتی نہیں[1]

---

1. موجد و مفکر — جوش ملیح آبادی — ص 9 اور ص 58
پرنٹر و پبلیشر اشفاق حسن خان ملیح آباد لکھنو

یہاں احسان دانش کا ذکر ضروری محسوس ہوتا ہے کیونکہ جدید اردو شعراء میں وہ فطرت کو پس منظر کے طور استعمال کر چکے ہیں - ان کی نظموں کا امتیاز یہی ہے کہ وہ پہلے مناظر قدرت کا بیان کرتے ہیں اور پھر اصل نظم شروع کرتے ہیں - ان کی مشہور نظم "نگار ے لب جوئے بار ے" میں قدرت کے سر سبز و شاداب اور مسکراتے ہوئے مناظر کا مرقع لفظ و معنی کے قالب میں یوں ڈھال دیا ہے - پڑھنے والا صبح کی ہوا، پرندوں کی چہچہاہٹ ٹہنیوں کی تھرتھراہٹ اور رات کی رنگینی میں گم سم ہو جاتا ہے -

اختر شیرانی ہمارے ایک عظیم رومانی شاعر ہیں - ان کی بیشتر نظموں میں رومان کے ساتھ منظر نگاری کا ایک طوفان برپا ہے - اختر جب محبوب کا ذکر کرتے ہیں تو اس ذکر میں مناظر کی رنگارنگی دھیمے انداز میں سامنے آجاتی ہے - وہ قاری کو رومان اور مناظر کی کیف پرور فضاؤں میں لے جاتے ہیں اردو شاعری میں منظر نگاری کی اس سے بہتر مثال نہیں جس کا مظاہرہ اختر نے اپنی نظم "او دیس سے آنے والا بتا" میں پیش کیا ہے - یہاں شہکار نظم کے چند بند پیش کئے جاتے ہیں :

**او دیس سے آنے والے بتا !**

او دیس سے آنے والا بتا — کس حال میں ہیں یاراں وطن
آوارہ غربت کو بھی سنا — کس رنگ میں ہیں کنعاں وطن

وہ باغ وطن فردوس وطن — وہ سرو وطن ، ریحان وطن
او دیس سے آنے والا بتا

او دیس سے آنے والے بتا!
کیا اب بھی وہاں کے باغوں میں — مستانہ ہوائیں آتی ہیں
کیا اب بھی وہاں کے پربت پر — گھنگور گھٹائیں چھائی ہیں
کیا اب بھی وہاں کی برکھا ہیں — ویسے ہی دلوں کو بھاتی ہیں
او دیس سے آنے والے بتا!

او دیس سے آنے والے بتا!
کیا اب بھی شفق کے سایوں میں — دن رات کے دامن ملتے ہیں
کیا اب بھی چمن میں ویسے ہی — خوش رنگ شگوفے کھلتے ہیں
برساتی ہوا کی لہروں سے — بھیگے ہوئے پودے ہلتے ہیں
او دیس سے آنے والے بتا

او دیس سے آنے والا بتا!
شاداب و شگفتہ پھولوں سے — معمور ہیں گلزار اب کہ نہیں
بازار میں مالن لاتی ہے — پھولوں کے گندھے ہار اب کہ نہیں
اور شوق سے ٹوٹے پڑتے ہیں — نوعمر خریدار اب کہ نہیں
او دیس سے آنے والا بتا

او دیس سے آنے والا بتا !

کیا اب بھی مہکتے مندر سے — ناقوس کی آواز آتی ہے

کیا اب بھی مقدس مسجد پر — مستانہ اذان تھراتی ہے

اور شام کے رنگین سایوں پر — عظمت کی جھلک چھا جاتی ہے

او دیس سے آنے والا بتا

او دیس سے آنے والے بتا !

کیا اب بھی پہاڑی چوٹیوں پر — برسات کے بادل چھاتے ہیں

کیا اب بھی ہوائے ساحل کے — وہ رس بھرے جھونکے آتے ہیں

اور سب سے اونچی ٹیکری پر — لوگ اب بھی ترانے گاتے ہیں

او دیس سے آنے والے بتا

او دیس سے آنے والے بتا !

کیا شام کو اب بھی جاتے ہیں — احباب کنار دریا پر

وہ پیڑ گھنیرے اب بھی ہیں — شاداب کنار دریا پر

اور پیار سے آکر جھانکتا ہے — مہتاب کنار دریا پر

او دیس سے آنے والے بتا

اختر شیرانی اپنے عہد کا مقبول ترین شاعر تھا ۔ ایک امیر اور ذی وقار باپ کا بیٹا تھا ۔ ادب اور شاعری اس کے لئے ہمیشہ مشغلہ رہ چکے ہیں اسکی شاعری

کے رومانوی ماحول ،اسکی مے نوشی اور آزاد مزاجی نے اسے دنیائے شعر وادب کا رومانوی شہزادہ بنا دیا تھا ۔ رومانوی شہزادہ بننا آسان ہے لیکن بنے رہنا اتنا آسان نہیں ۔ فطرت کے ساتھ اختر کا رشتہ باپ اور بیٹے کا سا تھا ۔ فطرت اسے خیال و فکر فراہم کرتی ،اسے سلاتی ، جگاتی ، سکون عطا کرتی اور اپنے آغوش میں لپیٹ کر کیف اور مستی مہیا کرتی تھی ۔ اپنی مشہور نظم " برکھارت" میں شاعر فطرت کے کس کس رنگ سے اپنے آپ کو رنگ چکا ہے ۔

آسمان پہ چھا رہا ہے ابر یاروں کا ہجوم
نو بہاروں کا ہجوم
آہ یہ رنگین آوازہ نظاروں کا ہجوم
کوہساروں کا ہجوم
بدلیاں ہیں یا کسی کے بھولے بسرے خواب ہیں
بے خود و بے تاب ہیں
یا ہوا پر تیرتا ہے رود باروں کا ہجوم
آبشاروں کا ہجوم
وادیٔ گنگا ، برکھارت ہے کالی رات ہے
رات ہے برسات ہے

اور فضا میں تیرنے والے نظاروں کا ہجوم
نشہ زاروں کا ہجوم
بجلی ہے یا نور کی زنجیر لہرائی ہوئی
پیچ و خم کھاتی ہوئی
یا خمیدہ مرمریں پھولوں کے ہاروں کا ہجوم
اور ستاروں کا ہجوم[1]

شاہنامہ اسلام کے مصنف حفیظ جالندھری نے مناظر فطرت کی طرف خاص توجہ دی ہے۔ وہ صحرائے عرب کے ریگستانوں اور بیابانوں کا ذکر اپنے مخصوص پیرائے میں کرتے ہیں اور اپنے جذبات کا اظہار بہتر سے بہتر الفاظ میں کرتے ہیں۔ وہ جب مکے اور مدینے کا ذکر کرتے ہیں تو منظر نگاری یوں نکھر کر سامنے آتی ہے:

یہاں گھاس اگتی ہے نہ یاں پر پھول کھلتے ہیں
مگر اس سرزمین پر آسمان بھی جھک کے ملتے ہیں

حفیظ مناظر کا رشتہ تاریخ کے واقعات سے جوڑ دیتے ہیں اور موسموں، رنگوں اور زمین و زمان کی کیفیتوں کا نقشہ اپنے منفرد انداز میں پیش کرتے ہیں۔

---

1 کلیات اختر شیرانی ــ مرتب گوپال متل ــ ص 84 ـ 85
نیشنل اکاڈمی 9 انصاری مارکیٹ دہلی 6

مناظر میں کبھی کبھار ان کے یہاں ابہام بھی نظر آتا ہے ۔ ان کی ایک نظم " برسات " میں وہ اپنے احساسات کی ترجمانی ان لفظوں میں کرتے ہیں ۔ نظم کا ایک بند یہاں نقل کیا جاتا ہے :

آئی ہے برسات

چھائی ہے برسات

کوہ و دمن پر　　دشت و چمن پر

شہر اور بن پر

گل پوش جلوے　　مدّھوش نغمے

دل کش فضائیں

ٹھنڈی ہوائیں

اودی گھٹائیں　　لائی ہے برسات

آئی ہے برسات　　چھائی ہے برسات

حفیظ نے کشمیر کے مناظر فطرت کے متعلق بھی ایک خوبصورت نظم لکھی ہے جس میں کشمیر کے کوہساروں ، آبشاروں ، رنگ و بو کی شوخیوں کا نظارہ کرایا گیا ہے ۔ شاعر کشمیر کے ذرّے ذرّے سے نہ صرف متاثر ہے بلکہ یہاں کی ہر شئے اس کی نظروں میں قابل داد ہے ۔

برف کی اونچائیاں برفاب کی گہرائیاں
رنگ و بو کی شوخیاں پھولوں کی بے وائیاں
سبز قالینوں پہ دیواروں کی بزم آرائیاں
بنتے بنتے چلتے پھرتے ابر کی پرچھائیاں
آگے پیچھے دوڑتا تاریکی و تنویر کا
ایک پہلو یہ بھی ہے کشمیر کی تصویر کا[1]

فراق ہمارے عہد کے ایک عہد آفرین غزل گو شاعر ہیں - ان کی غزلوں میں زندگی کی ابدی حقیقتیں نہایت باریکی کے ساتھ پیش کی گئی ہیں وہ زندگی کے گوناگوں نغموں اور رنگوں کو آپس میں ملاکر ایک خوشگوار سماں پیدا کرتے ہیں ان کے یہاں مناظر قدرت میں ہندوستان کے موسموں اور بہار و خزاں کی مختلف حالتوں کا ذکر بڑے دلنشین پیرائے میں ملتا ہے - فراق کے مناظر کی تفصیل بیان کرنے میں موسموں کا گہرا عمل دخل ہے - فراق اپنی ایک نظم میں موسم خزاں کی ہوا کو مخاطب کر کے اسے چلے جانے کی تاکید کرتے ہیں تاکہ خزاں کی وجہ سے گلستان میں ویرانی کی جو حالت طاری ہوجاتی ہے وہ رک جائے - اپنی کتاب "گل نغمہ" میں خزاں کا نقشہ پیش کرتے ہوئے وہ مناظر کی نقش گری اس حسین انداز میں انجام دیتے ہیں :

---

1. تلخابہ شیریں — ص 10 — حفیظ جالندھری — لاہور مجلس اردو 1959

ارباب چمن کو کفن خاک اڑاتی

بالیدگی ہر ذرّے میں آتی ہے چھپاتی

تو مرگ نباتات ہے تو روح نباتی

یا جان نمو موج فنا بن کے ہے آتی

اے باد خزاں باد خزاں ، باد خزاں چل

اے باد خزاں چل

پھولے ہوئے گلزار کو ویراں کیا ہے

طاؤس کو اڑتی ہوئی ناگن نے ڈسا ہے

اک قہر ہے آفت ہے قیامت ہے بلا ہے

یا باغ میں لہرائی ہوئی برق فنا ہے

اے باد خزاں ، باد خزاں ، باد خزاں چل

اے باد خزاں چل[1]

فراق نے ان اشعار میں چمن ، ذرہ ، نباتات ، موج ، باد خزاں ، پھولے ہوئے گلزار ، طاؤس ، ناگن اور برق جیسے الفاظ استعمال کر کے ہمارے سامنے ان چیزوں کی کیفیات کو ابھارا ہے اور باد خزاں کو مخاطب کر کے اسے جنبش و حرکت کرنے کی دعوت دی ہے اور ساتھ ہی ساتھ باد خزاں کی خصوصیات

---

[1] گل نغمہ — ص 382 - 384 — فراق گورکھپوری ، الہ آباد ادارہ انیس اردو 1977

بیان کی ہیں یعنی باد خزاں ، پھولوں ، غنچوں اور پتّوں کو برباد کرتی ہوئی چلتی ہے مگر اس کی بربادی میں آبادی کا راز بھی پوشیدہ ہے ۔

مقالے کے اس پہلے باب اردو شاعری میں منظر نگاری میں اجمالی طور پر ان خطوط اور نقوش کو ابھارا گیا جو ہمیں اردو شاعری میں منظر نگاری کے تعلق سے ملتے ہیں ویسے اردو شاعری کے ساتھ جتنے بھی چھوٹے بڑے ہزاروں وابستہ ہیں ان کے ہاں کسی نہ کسی حیثیت میں منظر نگاری موجود ہے ۔ کہیں کہیں یہ منظر نگاری صاف اور واضح شکل میں موجود ہے اور کہیں اس کے ہلکے ہلکے آثار نظر آتے ہیں ۔ اس تمام مواد کا تفصیلی جائزہ لینے کے لئے سینکڑوں صفحات درکار تھے اور قلی قطب شاہ سے لیکر شہریار تک ہزاروں کی تعداد میں شاعروں نے جس اعلیٰ نقش گری اور منظر نگاری کا کمال دکھایا ہے اس سے اغماض کرتے ہوئے میں نے اردو شاعری میں منظر نگاری کا ایک اجمالی جائیزہ پیش کیا ہے کہ شاعری میں منظر نگاری کی صنف کی کیا صورتحال ہے اور اس کے نقوش کس قدر گہرے اور دیدہ زیب ہیں ۔ اسی پس منظر میں اگلے صفحات میں دور جدید کے ایک نابغۂ روزگار شاعر علامہ اقبال کی شاعری میں مناظر فطرت کی عکاسی کی نشاندہی کی جائے گی اور ان نظموں کا تنقیدی اور تحقیقی جائزہ پیش کیا جائے گا جن میں نہ صرف ایسی نظموں کا جائزہ لیا جائے گا بلکہ فطرت کے تئیں علامہ اقبال کا جو رویہ ہے اسے بھی ابھارنے کی کوشش کی جائے گی ۔

فیض احمد فیض اردو شاعری کا وہ کشادہ دامن نام ہے جس میں قلم بھی متوازن، دل بھی متوازن اور دماغ بھی متوازن ہے۔ وہ اگرچہ خیالات کے اعتبار سے اشتراکی تحریک کے نزدیک ہے تاہم وہ دیگر اشتراکیوں اور ترقی پسندوں کی طرح صرف اور صرف انقلاب، مزدور، محنت اور تقسیم دولت کے توازن کے نغمے ہی نہ گاتے رہے بلکہ انھوں نے اپنے فکر و نظر اور شعر و فن میں ایک گہرا ربط پیدا کیا۔ ان کا اپروچ اور ان کی سوچ ہمیشہ اعتدال اور میانہ روی کے خطوط پر سختی سے کاربند رہا۔ انھوں نے اپنے کلام میں مناظر فطرت کو بھی مناسب جگہ دے دی ہے۔ چنانچہ وہ مناظر کو زندگی کے ساتھ گہرے طور منسلک کر کے ایک نیا نرالہ منظر نامہ پیش کرتے ہیں۔ انھوں نے "منظر" کے زیر عنوان کس قدر شاندار منظر نگاری کی ہے:

رہگزر سائے، شجر، منزل دور، حلقۂ بام
بام پر سفینۂ مہتاب کھلا، آہستہ
جس طرح کھولے کوئی بند قبا، آہستہ
حلقۂ بام تلے، سایوں کا ٹھہرا ہوا نیل
نیل کی جھیل
جھیل میں چپکے سے تیرا، کسی پتے کا حباب

ایک پل تیرا ، چلا ، پھوٹ گیا ، آہستہ
بہت آہستہ ، بہت ہلکا ، خنک رنگ شراب
میرے شیشے میں ڈھلا ، آہستہ
شیشہ و جام ، صراحی ، ترے ہاتھوں کے گلاب
جس طرح دور کسی خواب کا نقش
آپ ہی آپ بنا اور مٹا آہستہ[1]

فیض میٹھے خوابوں اور سہانے سپنوں کا سہارا لیکر منظر نگاری کی ایک پر سکوں روایت قائم کرتا ہے ۔ شاعر بارش ، برف ، صبح ، نیل پری ، کوئل ، باغ ، پتا شبنم اور موتی جیسے عمدہ لفظ چن کر ہماری نظروں کے سامنے منظر کشی کا ایک دلفریب سماں پیدا کرتا ہے ۔

برکھا برسے چھت پر ، میں تیرے سپنے دیکھوں
برف گرے پربت پر ، میں تیرے سپنے دیکھوں
صبح کی نیل پری ، میں تیرے سپنے دیکھوں
کوئل دھوم مچائے ، میں تیرے سپنے دیکھوں
آئے اور اڑ جائے ، میں تیرے سپنے دیکھوں

---

[1] فیض احمد فیض ۔ نسخہ ہائے وفا ص ۷۳ مطبوعہ ایجوکیشنل پبلیشنگ ہاؤس ۔ دہلی 6

باغوں میں پتے مہکیں ، میں تیرے سپنے دیکھوں
شبنم کے موتی دمکیں ، میں تیرے سپنے دیکھوں[1]

فیض کو کئی بار جیل خانوں میں ڈال دیا گیا جہاں وہ اپنی جوانی کے حسین ایام گزارتے رہے ۔ اپنی کتاب " زندان نامہ " میں فیض نے جیل خانے کے تجربات مختلف اسالیب میں بیان کئے ہیں ۔ وہ جیل کے اندر رہ کر رنگ و بو اور باغ و بہار کے مناظر دیکھتا ہے ۔ وہ سوئے ہوئے عوام کے دلوں میں جوش غضب کے انگارے سلگانا چاہتا ہے ۔ وہ گرمی ، حرکت اور توانائی کے مظاہر سے دوچار ہونا چاہتا ہے ۔

لاؤ سلگاؤ کوئی جوش غضب کا انگار
طبش کی آتش جرار کہاں ہے لاؤ
وہ دہکتا ہوا گلزار ہے لاؤ
جس میں گرمی بھی ہے حرکت بھی ہے توانائی بھی
منتظر ہوگا اندھیرے کی فصیلوں کے ادھر
ان کو شعلوں کی رجز اپنا پتہ تو دیں گے
خیر ، ہم تک وہ نہ پہنچے بھی صدا تو دیں گے
دور کتنی ہے ابھی صبح ، بتا تو دیں گے[2]

---

1/ فیض احمد فیض نسخہ ہائے وفا ص 469 ، مجموعہ ایجوکیشنل پبلیشنگ ہاؤس دہلی 6

2/ اینضاً ص 286

اوپر کے اشعار میں شاعر نے اپنے نازک لیکن انقلابی اور جوشیلے جذبات کو متوازن الفاظ کا جامہ پہناکر منظر نگاری کا اچھا ماحول قائم کیا ہے۔

صبح پھوٹی تو آسمان پہ تیرے
رنگ رخسار کی پھوہار گری
رات چھائی تو روئے عالم پر
تیری زلفوں کی آبشار گری [1]

اس وقت اردو شاعری میں نئے رجحانات اور نئے تجربوں کا چلن ہے۔ ہندوستان اور پاکستان کے اردو شعراء جہاں مختلف موضوعات اور عنوانات کو سامنے رکھکر شعر کی جوت جگار ہے ہیں وہاں منظر نگاری کا عنصر کسی نہ کسی شکل میں ان کے افکار پر حاوی دکھائی دیتا ہے۔

وزیر آغا تنقید کے میدان میں اپنی صلاحیتوں کا لوہا منوا چکے ہیں۔ وہ وادیٔ شعر کے کئی ہفت خواں طے کر چکے ہیں۔ وزیر آغا ہمیں اپنی غزلوں میں فطرت کی اشیاء سے یوں قربت پیدا کرتا ہے۔

آیا وہ تیرے پاس جو خود سے جدا ہوا
چہرہ سا اک لگا کے ترا ہم نوا ہوا
وہ برگ سبز جس کو اڑا لے گیا تھا تو

---

1. فیض احمد فیض نسخہ ہائے وفا — ص 277 — مطبوعہ ایجوکیشنل پبلیشنگ ہاؤس دہلی 6

ڈھونڈا تو مل گیا مجھے بن میں پڑا ہوا
شبنم سے اپنی پلکوں کو اتنا بھگو کہ میں
سوچوں کہ ایک سوکھا شجر پھر ہرا ہوا
اوپر بجھے ستاروں کی بکھری ہوئی تھی راکھ
نیچے گھنے درختوں کا جنگل جلا ہوا
آواز کے بھنور میں مجھے مت گھرا کہ میں
کرنوں کا جال توڑ کے کل ہی رہا ہوا
کرنا پڑے گا اپنے ہی سائے میں اب قیام
چاروں طرف ہے دھوپ کا صحرا بچھا ہوا [1]

وزیر آغا کے ہاں اگرچہ براہ راست مناظر فطرت پر علاحدہ نظمیں نہیں ہیں تاہم وہ اپنی نظموں اور غزلوں میں مناظر کو ہی بنیاد بناکر اپنے شعری تجربوں کے لئے راستہ ہموار کرتے ہیں ۔ وہ پرندوں ، بادلوں ، پھولوں ، درختوں اور سمندروں کا تذکرہ لطیف پیرائے میں کرتے ہیں اور اس طرح ہمارے سامنے قدرت کا ایک شاندار صنم خانہ تشکیل پذیر ہوجاتا ہے ۔

---

[1] وزیر آغا ــــ غزلیں ــــ ص 236 ـ 237
ناشر شان ہند پبلیکیشنز ، دریا گنج نئی دلی

وہ پرندہ ہے کہاں شب کو چہکنے والا
رات بھر نافۂ گل بن کے مہکنے والا
کتنا ابر تھا ۔ بس دیکھنے آیا تھا مجھے
کوئی بادل تو نہیں تھا وہ چھلکنے والا
راکھ میں ، آنکھ میں ، پھولوں پہ ، کسیلی شب میں
بے ضرورت بھی تو چمکا ہے چمکنے والا
کس کی آواز بس ہے ٹوٹتے پتوں کی صدا
کون اس رت میں ہے بے وجہ سسکنے والا
چاند ہو روز بدلتے ہو ، تمہارا کیا ہے
میں سمندر ہوں اور تک نہ بہکنے والا [1]

ناصر کاظمی اس دور کے محبوب شاعر ہیں ۔ جذبات کی مصوری اور احساسات کی نقش گری کا جو فن ناصر کو آتا ہے ، اس میں ان کا کوئی ہمسر نہیں ان کی شاعری اگر چہ براہ راست منظر نگاری نہیں ہے مگر ہر شعر منظر نگاری کا ایک نمونہ قرار دیا جا سکتا ہے ۔ "برگ نے" کی تمام غزلوں میں سبزہ ، ابر پھول ، موسم ، شبنم اور اسی طرح کے الفاظ کو مختلف انداز اور مختلف اسالیب میں پیش کر کے ناصر نے منظری شاعری میں ایک گراں قدر اضافہ کیا ہے :

---

[1] وزیر آغا ـــ غزلیں ـــ ص 52 ـ 53 شان ہند پبلیکیشنز دہلی

دور فلک جب دہراتا ہے موسم گل کی راتوں کو
گنج قفس میں سن لیتے ہیں بھولی بسری باتوں کو
ریگ رواں کی نرم پتوں کو چھیڑتی ہے جب کوئی ہوا
سونے صحرا چیخ اٹھتے ہیں آدھی آدھی راتوں کو
مے خانے کا افسردہ ماحول تو یوں ہی رہتا ہے
خشک لبوں کی خیر مناؤ کچھ نہ کہو برساتوں کو
ناصر میرے منہ کی باتیں یوں تو سچے موتی ہیں
لیکن ان کی باتیں سن کر بھول گئے سب باتوں کو[1]

ذیل کے اشعار منظریت سے نہ صرف بھرپور ہیں بلکہ منظری شاعری میں ایک نئے پہلو کی نشاندہی کرتے ہیں:

جنت ماہی گیروں کی
ٹھنڈی رات جزیروں کی
سبز سنہرے کھیتوں پر
پھوار یں سرخ لکیروں کی
اسپین سے آئی ہیں
آوازیں زنجیروں کی

---

[1] ناصر کاظمی — برگ نے — ص 59 — شان ہند پبلیکیشنز دلی

کڑوے خواب غریبوں کے
میٹھی نیند امیروں کی
رات گئے تیری یاد میں
جیسے بارش تیروں کی
مجھ سے باتیں کرتی ہے
خاموشی تصویروں کی
ان ویرانوں میں ناصر
کان دبی ہے ہیروں کی [1]

اردو شعراء نے ہزار طریقوں سے گل یا پھول کو اپنے اشعار میں برتا ہے۔ کبھی عارضِ محبوب کو پھول سے تشبیہ دی گئی ہے ، کبھی پھول کی خوشبو ، کبھی اسکے رنگ اور کبھی اسکی رنگارنگی پر متفرق اشعار کہے گئے ہیں۔ ناصر مختلف مناظر کو زیرِ نظر رکھتے ہوئے پھول کے سلسلے میں یوں گویا ہیں :

جیتے گاتے روتے پھول
جس میں ہیں کیسے کیسے پھول
اور بہت کیا کرتے ہیں
کانٹے ہیں یہ تھوڑے پھول

---

[1] ناصر کاظمی ـــ دیوان ناصر کاظمی ـــ ص 126
ایجوکیشنل بک سنٹر نئی دلی

وقت کی پھلواری میں نہیں
دامن میں ہیں ایسے پھول

اس دھرتی کی رونق ہیں
میرے کانٹے تیرے پھول

اک ہری کونپل کے لئے
میں نے چھوڑے کتنے پھول

اونچے اونچے لمبے پیڑ
سارے پتلے پیلے پھول

مٹی کی خوشبو لینے
نیل گگن سے اترے پھول

گورے گورے ننگے پیر
جھلمل جھلمل کرتے ہیں پھول

مہک اٹھی پھر دل کی کتاب
یاد آئے یہ کب کے پھول

کانٹے چھوڑ گئی آندھی
لے گئی اچھے اچھے پھول[1]

---

1 ناصر کاظمی ــــ دیوان ناصر کاظمی ــ ص 93 - 94
ایجوکیشنل بک سنٹر نئی دلی

جدید اردو شعراء میں احمد فراز ایک ممتاز حیثیت کے مالک ہیں۔ وہ اپنی نظموں اور غزلوں میں زندگی کی تلخ حقیقتوں کو حرف و صوت کا ایسا نظام بخشتے ہیں کہ وہ حقیقت پڑھنے والے کو کوئی پرائی نہیں بلکہ ایک نجی حقیقت محسوس ہوتی ہے۔ وہ صحرائے حیات میں ہمیں بہت دور تک اپنے ساتھ لے جاتا ہے۔ احمد فراز کے یہاں جذبہ بھی ہے جوش بھی ہے اور زندگی کی رنگین رعنائی بھی جہاں تک ان کی شاعری میں منظر نگاری کا تعلق ہے وہ مناظر کو اداس لفظوں کا جامہ عطا کرتے ہیں مثلاً

ابر بہار اب کے بھی برسا پرے پرے
گلشن اجاڑ اجاڑ ہیں جنگل ہرے ہرے
جانے یہ تشنگی ہے ہوس ہے کہ خودکشی
جلتے ہیں شام ہی سے جو ساغر بھرے بھرے
رہتے ہیں اہل شہر کے سائے سے دور دور
ہم آہوان دشت کی صورت ڈرے ڈرے
گل بن کے پھوٹتا ہے لہو شاخسار سے
زخم رگ بہار میں پتے ہرے ہرے
زندہ دلان شہر کو کیا ہو گیا فراز
آنکھیں بجھی بجھی ہیں چہرے مرے مرے[1]

---

1) احمد فراز ۔۔ جاناں جاناں ۔۔ ص 36 ۔ 35
مطبوعہ خواجہ پریس جامعہ مسجد دلی

احمد فراز مناظر کا تذکرہ کرتے وقت ان کا رشتہ انسانی سماج کے مسائل کے ساتھ گہرے طور سے جوڑ دیتا ہے ۔ وہ اپنے سماج کے مسائل کی نزاکت سے بخوبی آشنا ہیں ۔ وہ سماج میں گرتی ہوئی قدروں اور معیاروں کی پستی پر انگشت بدنداں ہیں اور ان کے از سر نو احیاء کیلئے تمنا کرتے ہیں ۔ اپنی ایک نظم " سحر کے سورج " میں وہ کس قدر جذباتی لہجے میں رقمطراز ہیں :

سحر کے سورج
میں رو رہا ہوں
کہ میرا مشرق لہو لہو ہے
وہ میرا مشرق جو میرا بازو ہے
میرا دل ہے
میری نمو ہے
جو میرے اطراف کا نشاں
میری آبرو ہے
لہو لہو ہے
سحر کے سورج
میں نصف تاریخ
نصف روشن ہوں

کیا ہوا ہے
تجھے گہن لگ گیا
کہ میرا وجود ٹکڑوں میں بٹ گیا ہے
تیری شعاعوں کا نور
گھٹ گیا ہے
کہ آج ہر رشتہ ر فاقت ہی کٹ گیا ہے[1]

سردار جعفری انقلابی شاعری کا ایک اہم نام ہے پہلے سے انقلابی آتشیں اور اشتراکی خیالات کو شعر و سخن کے قالب میں ڈھالتا رہا ۔آپ اپنی شاعری میں غضب کی منظر نگاری کا ساں جابجا پیدا کرتے ہے مگر یہ خالص منظر کشی نہیں بلکہ اس میں انسانی معاشرے کا درد و کرب سمٹا اور سمویا ہوا ہوتا ہے ۔ جعفری مزدوروں کی دردناک زندگی ، ان پر سرمایہ دار طبقے کے ظلم و جبر اور اذیت رسانی کا پہلو اپنے شعروں میں واضح کر دیتے ہیں ۔

منظر نگاری ، معاشرتی زبوں حالی اور قدروں کی پامالی شاعر نے یوں پیش کی ہے :۔

---

[1] احمد فراز ـــ جاناں جاناں ـــ ص 48 مطبوعہ خواجہ پریس جامع مسجد دلی

تیرگی کے سیاہ غاروں سے
شپّروں کی صدا نہیں آتی ہیں
لیے کے جھونکوں کی تیز تلواریں
ٹھنڈی ٹھنڈی ہوائیں آتی ہیں
برف نے جن پہ دھار رکھی ہے
ایک میلی دوکان تیرہ و تار
اک چراغ اور ایک دوشیزہ
یہ بجھی سی ہے وہ اداس سا ہے
دونوں جاڑوں کی لمبی راتوں میں
تیرگی اور ہوا سے لڑتے ہیں
تیرگی اٹھ رہی ہے میداں سے
فوج در فوج بادلوں کی طرح
اور ہواؤں کے ہاتھ ہیں گستاخ
توڑ لیتے ہیں ننھے شعلے کو
نوچ لیتے ہیں میلے آنچل کو
لڑکی رہ رہ کے جسم ڈھانپتی ہے
شعلہ رہ رہ کے تھرتھراتا ہے
تنگی بوڑھی زمین کانپتی ہے [1]

---

[1] سردار جعفری — ایک خواب اور — ص 106 - 107 مکتبہ کتابیں جامعہ نگر نئی دہلی

جعفری انسان کی خواہشات اور اسکی نہ ختم ہونے والی تمناؤں کی تصویر کشی مختلف موقعوں پر مختلف طریقوں سے ادا کر چکے ہیں ۔ خواہشات اور احساسات کا رشتہ جعفری نے دریا ، سمندر ، شبنم اور اس قسم کے دیگر مناظر سے جوڑ دیا ہے :

میں کہ ہوں پیاس کے دریا کی تڑپتی ہوئی موج
پی چکا ہوں میں سمندر کا سمندر پھر بھی
ایک اک قطرہ شبنم کو ترس جاتا ہوں
قطرۂ شبنم اشک
قطرۂ شبنم دل ، خون جگر
قطرۂ نسیم نظر
یا ملاقات کے لمحوں کے سنہرے قطرے
جونگاہوں کی حرارت سے ٹپک پڑتے ہیں
اور پھر لمس کے نور[1]

---

1) سردار جعفری ۔۔ ایک خواب اور ۔۔۔۔ ص 106 ۔ 107
مکتبہ کتابیں ، جامعہ نگر نئی دہلی

پروین شاکر اردو شاعرات میں ایک اہم نام کے طور افق شاعری پر نمودار ہیں۔ پروین نے سادہ اور سہل لہجے میں فکر و فن اور منظر نگاری کے عمدہ ترین نمونے پیش کیے ہیں :

شام آئی ، تری یادوں کے ستارے نکلے
رنگ ہی غم کے نہیں ، نقش بھی پیارے نکلے
ایک موہوم تمنا کے سہارے نکلے
چاند کے ساتھ ترے ہجر کے تارے نکلے
کوئی موسم ہو مگر شان خم و پیچ رہی
رات کی طرح کوئی زلف سنوارے نکلے
رقص جن کا ہمیں ساحل سے بہا لایا تھا
وہ بھنور آنکھ تک آئے تو کنارے نکلے
دھوپ کی رت میں کوئی چھاؤں اگاتا کیسے
شاخ پھوٹی تھی کہ ہمسایوں میں آرے نکلے[1]

پروین شاکر اپنے سماج کی بگڑتی ہوئی قدروں سے بہت مایوس ہیں۔ وہ ایک مستقل تبدیلی اور انقلاب کی خواہش مند ہیں۔ وہ سماج میں عورتوں کے مقام کو از سر نو بحال کرنے کی متمنی ہے۔ پروین کی طرح اردو میں چند

---

[1] پروین شاکر ــــ صد برگ ــــ ص 32۔33 ناشر شان ہند پبلیکیشنز

چند اور نام بھی ہیں جنہوں نے اردو شاعری میں منظر نگاری کے تعلق سے بڑی خدمت انجام دی ہے ۔ ان میں کشور ناہید ، بانو داراب اور سیدہ شان معراج قابل توجہ ہیں ۔ ان شاعرات نے اردو کے شعری ادب میں اپنی صلاحیتوں سے بھرپور اضافہ تو کیا ہے مگر جہاں تک منظری شاعری کا تعلق ہے اس سلسلے میں بھی ان کا کام دیگر شاعرات کے لئے سنگ میل کی حیثیت رکھتا ہے ۔